اردو افسانے کی پہلی کم شنیدہ آواز: جان بُل

The First Under-listened Voice of Urdu Short Story: John Bull

ڈاکٹر شاہد نواز

Abstract

In its just over a century's journey, Urdu Short story has progressed vertically and horizontally. One can finds big guns in almost every work on Urdu Short story, but some important names did not get proper place in the Urdu criticism, John Bull aka Sultan Haider Josh is one of them. He is important among the premier Urdu short story writers. In this article his art of fiction is analyzed in light of his time and life. The article is an introduction of this under listened voice of Urdu Short story.

Keywords: John Bull, Sultan Haider Josh, Urdu fiction, Presentation of East and West

اردو افسانے کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی کے سورج طلوع ہونے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ افسانہ کہانی کی جدید شکلوں میں سے نمایاں ترین اور پسندیدہ صنف ہے۔ بیسویں صدی کی پہلی چھ دہائیاں اردو افسانے کی تخلیق اور مقبولیت کے متنوع پہلو لیے ہوئے ہیں۔ اردو افسانے کی عمر اگرچہ اردو ناول کی نسبت کم ہے مگر فنی مہارت، موضوعات کا تنوع اور معیار کی وجہ سے ناول کو کہیں پیچھے چھوڑتا نظر آتا ہے۔

اردو افسانہ نگاروں کے پاس جدید کہانی کی شکل میں تین دہائیوں پر مشتمل ناول کا ارتقاء موجود تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے نوآبادیاتی خطوں میں سماجی، ثقافتی اور سیاسی صورت حال تبدیل ہو چکی تھی۔ ہندوستان میں بیسویں صدی کے سورج طلوع ہونے تک نوآبادیات اپنے اثرات دکھا چکی تھی۔ مزاحمتی عناصر قدرے کمزور پڑ چکے تھے اور ہندوستان کی آزادی کی شمع جلانے والے پروانے بدیسی حکمرانوں کے بتائے ہوئے ''رہنما اصولوں'' کی مدد سے آزادی کے لیے تگ و دو کرتے نظر آ رہے تھے۔ جدید تعلیم کے ہنر نے یہ سکھا دیا تھا کہ بدیسی سانچوں میں اپنی بات کیسے کہنی ہے۔

اردو افسانہ نوآبادیات کے اثرات (حمایت، مزاحمت) کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں کے افسانوی ادب سے بھی اثرات اخذ کرتا نظر آتا ہے۔ اردو افسانے کی ابتداء رومانویت کے پردے میں ہوئی اگرچہ یہ رومانویت فرد سے سفر کرتی ہوئی سماج تک پہنچی۔ جس دور میں اردو افسانہ ابتدائی سانسیں لے رہا تھا، یہ دور ہندوستان میں کنفیوژن کا دور ہے۔ بیک وقت نوآبادیاتی اثرات کی حمایت اور مخالفت میں بحثیں ہو رہی ہیں، مکتبہ فکر

تشکیل پا رہے ہیں اور سیاسی و سماجی جدو جہد کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس دور میں سماج کا شیرازہ بکھرا نظر آتا ہے۔ اجتماعی نقطہ نظر کی بجائے انفرادی مکتبۂ فکر پروان چڑھ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوستان مذہب، رنگ، علاقائی اور نسلی خانوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ اس دور کے پس منظر میں نمودار ہونے والے افسانہ نگار بھی اپنا اپنا تخلیقی سفر مختلف پس منظر اور منطقوں کی طرف شروع کر رہے ہیں۔

> ''جس تصادم کا آغاز ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے ہوا تھا، اس نے بیسویں صدی کے شروع تک پہنچتے پہنچتے اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور فرد حیران و سرگرداں حالات کی کشاکش میں گرفتار کٹھ پتلی کی طرح ادھر سے اُدھر پھرتا تھا اور اسے یقین کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی۔ حالات کی اسی کشاکش اور بے یقینی نے سیاسی جماعتوں کو نئے نصب العین بنانے پر مجبور کیا۔ شاعروں کے طرزِ فکر میں انقلاب کی روشنی پیدا کی اور نثر کی مختلف صنفوں کو اصلاح کا منصب سونپا اور اس طرح جس زندگی میں بیک وقت مایوسی، بے یقینی، بے عملی، بے دست و پائی اور اس کے ساتھ ساتھ اصلاح و انقلاب کی لہریں موجزن تھیں، اسی طرح ادب و شعر میں بھی یہ سارے محرکات ایک دوسرے کے مدد اور ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے اور ادب انتہائے یاس، انتہائے بے یقینی، بے عملی اور مردہ دلی کا مظہر بھی تھا اور بڑی حد تک اصلاح اور کسی حد تک انقلاب کا آئینہ بھی۔ مختصر افسانہ زندگی کے اسی انتشار کے زمانہ میں پیدا ہوا اور اس لیے زمانہ اور عہد کے اس انتشار کا صحیح مصور اور عکاس بن کر ہمارے سامنے آیا۔''(۱)

اردو افسانے کے اس ابتدائی زمانے میں سلطان حیدر جوش ابھرے۔ اُن کے ہاں موضوعات اپنے زمانے کی ضرورت اور افسانے کی کم عمر روایت کے عین مطابق ہیں۔ افسانہ نگار اپنی عملی زندگی، ذاتی شخصیت اور اپنے پیش کردہ موضوعات کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج کو نہیں پاٹ سکے۔ مگر اردو افسانے کے ارتقاء میں اپنا کردار ضرور ادا کیا ہے۔

> ''سلطان حیدر جوش ایک تعلیم یافتہ شخص تھے اور انگریزی عہد میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز تھے۔ اپنے رہن سہن اور وضع کے لحاظ سے وہ ایک مکمل یورپین شخص معلوم ہوتے تھے۔ مگر ظاہر وضع قطع کے برعکس وہ مزاجاً خالص مشرقی تھے۔ ان کا ذوق مشرقی اقدار کا آئینہ تھا۔ چنانچہ وہ اس وقت کی کھلی مغربیت اور مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید کے خلاف تھے۔ انہوں نے شعوری طور سے معاشرتی سطح پر تقلید مغرب کی مذمت کی اور مغرب پرستی کی کمزوریوں کو ہدفِ تنقید بنایا۔''(۲)

سلطان حیدر جوش اردو کے معماروں میں سے ایک ہیں۔ اردو افسانے کی ابتدائی روایت میں اُن کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ ان کا افسانہ ''نابینا بیوی'' باقی افسانہ نگاروں کے ابتدائی افسانوں کی نسبت فنی طور پر زیادہ پختہ اور افسانویت کا حامل ہے۔ کردار نگاری اور تجسس پیدا کرنے میں وہ اپنے ہم عصروں کی نسبت بہت آگے دکھائی دیتے

ہیں۔ سلطان حیدر جوش کے ہاں موضوعاتی تکرار اور خود پسندی کے عنصر کو نظر انداز کر دیں تو ابتدائی روایت میں وہ خاصے قد آور افسانہ نگار ہیں۔ اردو افسانے کی تنقیدی روایت میں سلطان حیدر جوش کو کم اہمیت دی گئی ہے۔ ممکنہ طور پر روایت میں نظر آنداز کرنے کی ایک وجہ اُن کا کسی خاص مکتبہ فکر سے عدم وابستگی ہو سکتا ہے۔

سلطان حیدر جوش کا ایک نام ''جان بل'' بھی ہے جو قلمی نام ہے۔ ''جان بل'' رئیسانہ پس منظر کے ساتھ اپنے زمانے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ (علیگ) تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں مختلف سیاسی ہنگاموں میں اُن کا نام آتا رہا ہے۔ زیادہ تر تربیت والدہ کے زیر اثر رہی، ممکنہ طور پر یہی وجہ ہے کہ مشرقی خواتین کے لیے اُن کے ہاں خاص ادب پایا جاتا ہے۔ ان کے والد رئیس ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے وفادار تھے۔ یہ وفاداری اُن کے بعض افسانوی کرداروں میں جھلکتی ہے۔ نائب تحصیل داری سے شروع ہونے والا اُن کا کیریئر ڈپٹی کلکٹر تک پہنچا۔ مغربی لباس اور وضع قطع کے حامل سلطان حیدر جوش خوش شکل اور اچھی صحت کے مالک تھے۔ ان کا پہلا افسانہ ''نابینا بیوی''، مخزن لاہور کے شمارہ نمبر ۳، دسمبر ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا۔ ابوالفضل صدیقی نے انہیں اردو کا پہلا افسانہ نگار تسلیم کیا ہے۔ سلطان حیدر جوش پہلے افسانہ نگار تو نہیں البتہ ابتدائی افسانہ نگاروں ضرور ہیں۔ (۳)

سلطان حیدر جوش ''جان بل'' نے دو افسانوی مجموعوں کے علاوہ ناول، تراجم اور دیگر تحریری ورثہ چھوڑا ہے۔ اُن کے افسانوی منظر نامے میں عورت اور مشرقی و مغربی تہذیب کا تقابل مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جان بل کی افسانوی دنیا پر اعتبار کریں تو مشرقی عورت نہایت وضع دار، باصلاحیت اور با اختیار نظر آتی ہے، یوں راشد الخیری کی مصیبت زدہ عورت کے تصور کو چیلنج ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح اُن کے ہاں ابتدائی طور پر معاصر سیاسی شعور اور جدید تعلیم سے پیدا ہونے والے مسائل کی نشاندہی بھی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد نے سلطان حیدر جوش کے ہاں سیاسی جرأت کے اظہار کی بات کی ہے۔ یہ پہلو جوش کے افسانوں میں بین السطور طنزیہ شکل میں موجود ہے۔ مگر اُن کے کسی بھی افسانے کا براہ راست موضوع سیاسی صورتحال نہیں ہے۔

> ''کم از کم یلدرم کے مقابلے میں جوش کے ہاں سیاسی موضوعات پر جرأتِ اظہار زیادہ ہے۔ اس کا مظاہرہ بھی وہ بہت سے افسانوں اور مضامین میں کرتے ہیں، ایسے موقع پر ان کا طنزیہ لب ولہجہ ان کے جملوں کو دوہری معنویت کا حامل بنا دیتا ہے۔'' (۴)

سلطان حیدر جوش کی افسانہ نگاری میں سب سے مثبت پہلو افسانے کا فن ہے۔ جبکہ کمزور پہلو موضوعات کی تکرار اور مشرقی اور مغربی تہذیب کا تقابل کرتے وقت خود ساختہ نتائج کا بیان ہے۔ ذیل میں جان بل کی افسانہ نگاری کا تفصیلی تجزیہ پیش ہے۔

ہمارا خطہ فکری حوالوں سے بہت سے تضادات کا شکار رہا ہے۔ ممکنہ طور پر اس کی ایک وجہ ہمارے کرائے کے دانش وروں کی پھیلائی ہوئی دانش ہے۔ کرائے کی دانشوری کی پہلی نشانی یہ ہے کہ یہ نامانوس اصطلاحات سے شروع ہوتی ہے اور غیر حقیقی معنویت پر دم توڑتی ہے۔ عمومی طور پر یہ دانش وری حقیقی دانش وری کے لیے اس شاطر

پہلوان کا کام کرتی ہے جو اکھاڑے میں حقیقی پہلوان سے شکست کے خوف کی وجہ سے مٹھی بھر دھول مخالف کی آنکھوں میں جھونکتا ہے اور پھر اس کے ہوش ٹھکانے آنے سے پہلے مخالف کو چت کر کے کرائے کے تماش بینوں سے داد فتح سمیٹتا ایسا غائب ہوتا ہے، جیسے خلائی مخلوق یا ایلینز ۔اس مصنوعی دانش کے پسندیدہ وطیروں میں سے ایک وطیرہ یہ رہا ہے کہ یہ اپنے تاثر کو ہمیشہ پروپیگٹ کرتی ہے۔ بہت سے ابن الوقتوں کی مدد سے ہنگامہ خیز اور پر اثر تشہیر کے ذریعے اپنی دھاک بٹھاتی نظر آتی ہے اور جب تک مقامی اور حقیقی دانش کو ہوش آتی ہے اور وہ اپنی صورت نا قبول کو قبول بنانے کی کوشش کرتی ہے، اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

استعماریت کی باقاعدہ آمد کے ساتھ کرائے کی دانش نے ہمیں ایک راستہ سُجھایا کہ استعماریوں کے ہتھیاروں سے اُن کو مارو۔ بہت خوب گویا ہم خاص اسم پڑھیں گے اور استعماریوں کے تمام حربے نہ صرف ہماری دسترس میں ہوں گے بلکہ ہم اُن حربوں کے استعمال میں استعماریوں کو مات بھی دے دیں گے۔ مزید خوش فہمی کے لیے اُن دانشوروں اور معماران سماج وقوم نے مشرقی اقدار کا تڑکہ یوں لگایا کہ بظاہر خوشبو بہت بھینی بھینی محسوس ہوئی، مگر جوں جوں اس کا ذائقہ دماغ کو چڑھا تو پتہ چلا کہ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم، استعماریوں نے جو بہت سے حملے کیے وہاں ایک حملہ ہندوستانی زبانوں، اُن کے ادب اور ادب سے جڑے سماجی اور تہذیبی منطقے پر بھی ہوا۔ کلاسیکی شاعری میں ہمارے اپنے زعماء کے ہاتھوں کیڑے نکلوانے کے بعد جدید شاعری اور ادب کا ڈول ڈالا گیا اور اسے وقت کی ضرورت قرار دلوایا گیا۔ اس کے متوازی زندگی کا طرز بدلا تو داستانوں کی جگہ ناول اور پھر ناول کے ساتھ ساتھ افسانہ اپنے تمام تر استعماری پس منظر کے ساتھ آن دھمکا۔ افسانہ کیا ضروری تھا، مان لیا ضروری تھا تو پھر افسانے میں جو بدیسی صنف تھی یعنی استعماریوں کا حربہ تو کیا اس حربے کو آزمانے کے لیے اتنی جلدی اپنے مشرقی اوصاف حمیدہ کو موضوع بنانے کی ضرورت تھی؟ یقیناً ادب برائے سماج کے دعویدار فوراً جواب دیں گے کہ جناب ادب تو اپنے عہد کا عکاس اور نمائندہ ہوتا ہے۔ بجا فرمایا۔ مگر کیا ادب کا ارتقاء نامی بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ ڈینی موریسن کو جتنے کرتے شلوار پہنا لیں، اُسے کرتے شلوار والی چال اپناتے خاصا وقت لگے گا۔

افسانے کی اردو نثر میں آمد یقیناً خیر کا باعث بنی اور اردو نثر میں امکانات کے نئے در وا کر گئی۔ مگر یہ کتنا بڑا تضاد تھا کہ پہلے افسانہ نگار سے لے کر پانچویں یا ابتدائی بیشتر افسانہ نگاروں نے بدیسی صنف سخن کو لے کر اس میں مقامی اور مشرقی اقدار کو سمونے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر رعایتیں دینے کے باوجود اردو افسانہ اپنے ابتدائی تیس سالوں میں گھٹنوں چلنے کی کمزور سی کوشش کرتا رہا۔

اردو افسانے کے ''جان بُل'' المعروف سلطان حیدر جوش نے تو اس معاملے میں کمال کر دیا۔ ان کی جو افسانہ یا افسانہ نما تحریر اٹھائیں، گھوم پھر کے وہ عورت اور مرد کے درمیان مشرقی رشتوں کے قصیدہ خواں نظر آتے ہیں۔ بات یہیں تک رہتی تو کسی حد تک قابل قبول تھی۔ مگر انہوں نے تو ساتھ ساتھ مغربی عورت اور مرد کے درمیان رشتوں کے تقابل سے سارے مغرب کا بھانڈا ہی پھوڑ دیا۔ قاری کو اُن کے افسانے پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ مغرب

سماجی رشتوں خصوصاً میاں بیوی کے معاملے میں تو بالکل ہی کورا ہے اور مشرق ذرا ملاحظہ کیجئے۔ اُن کے ایک افسانے ''نابینا بیوی'' سے اقتباس کہ جہاں شوہر نامدار ایک اندھی لڑکی سے اس لیے شادی کرتے ہیں کہ نئی روشنی کے اسیر ایک مقامی نوجوان نے اُس کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا۔ اندھی لڑکی کو بیوی بنا کر نہ صرف اس کی دل شکنی دور کی بلکہ اس کی ایسی خدمت کی کہ انگلیاں منھ میں دبائے بغیر گزارہ نہیں ہوتا اور ہمارے عہد کی معروف زن مریدی اُس کردار کے سامنے پانی بھرتی نظر آتی ہے۔

> ''اس دار ناپائیدار کے قانون کے موافق مجھ بدنصیب پر ایک اور مصیبت آئی۔ میری نابینا بیوی کو بخار آنے لگا۔ میں نے ڈاکٹر حکیم، ملا، سیانے دوا، ٹھنڈائی، گنڈہ، غرض کچھ نہ چھوڑا، مگر بخار میں کمی نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ میں نے بالکل ہر جگہ کا آنا جانا چھوڑ دیا۔ وہ برابر چھ مہینے تک بیمار رہی۔ میں نے ہر قسم کی خدمت کی۔ یہاں تک کہ چوکی پر لے جانا، دوائی پلانا وغیرہ میرا معمول تھا۔ کئی بار میرے اگالدان اٹھاتے ہی ابکائی آئی اور جونہی میں نے اگالدان سامنے کیا، اس نے ڈالنا شروع کیا۔ جس سے میرے ہاتھ بھی بھر گئے۔ اگرچہ میں شہر میں نازک مزاج ہوں لیکن بخدا مجھے کبھی ایسی کراہت نہیں آئی۔''(۵)

یہ یاد رہے کہ ''نابینا بیوی'' میں یہ رشتہ محبت کی بجائے دل شکنی سے بچانے کے لیے قربانی دینے کا ہے۔ اُدھر اس نئی روشنی کے اسیر نوجوان کو بھی افسانہ نگار سبق سکھانا نہیں بھولے۔ چھ ماہ کے اندر ہی اسے نئی روشنی کی اسیر بیوی مہیا کی اور اس کو ایسا حرافہ دکھایا کہ جس نے نہ صرف اس نوجوان بلکہ پورے خاندان کو پورے بدایوں میں منھ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا۔ حیرت انگیز طور پر مغربی عورتوں کے حوالے سے انہوں نے خانگی شکوک کا اظہار کیا ہے۔ کسی حد تک یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ انگریز خواتین کی ظاہری زندگی انہیں اس طرح سوچنے پر مجبور کرتی ہوگی۔ مضمون کے ابتدائی حصے میں جن تضادات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، ان میں سے ایک تضاد یہ ہے کہ جان بل نامی یہ مشرقی افسانہ نگار اپنے نام سے لے کر لباس اور وضع قطع تک مغربیت زدہ ہے مگر اقدار کے معاملے میں مشرقیت کو ترجیح دیتا نظر آتا ہے۔ یہ صورتحال بھی قابل قبول رہتی مگر تضاد تو یہ ہے کہ مشرقی رشتوں کو یوں اعلیٰ درجے پر فائز اور مغربی رشتوں کو دھاگے سے نازک دکھانا اور پھر اسی تہذیب کی ظاہری علامات کو اپنانا نا قابل قبول ہے۔ ان کے قول وفعل کے اس تضاد سے قاری پر یہ واضح نہیں ہوتا کہ افسانہ نگار نوآبادیات کے حق میں ہیں یا پھر مخالفت میں۔ یوں اپنے عہد کے کنفیوژن میں وہ اپنی کہانیوں کی مدد سے اضافہ کرتے نظر آتے ہیں۔

مشرقی عورت کی وفا شعاری اور مغربی عورت کی بے وفائی کا منظر نامہ اُن کے پورے افسانوی ادب (افسانہ، ناول) کا پسندیدہ موضوع ہے۔ مشرقی روایات اور اقدار تھیں یا وہ خاص سماجی اور معاشی جبر جس نے عورت کو ''دست تہہ سنگ آمدہ، پیمان وفا'' کی شکل عطا کر دی تھی۔ اس پر افسانہ نگار نے کم کم غور کیا ہے۔ ''طوق آدم'' میں افسانہ نگار نے افسانوی تکنیک کو تو مہارت سے استعمال کیا ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ موضوع یہاں بھی رن مریدی ہے۔

اگر یہ اصطلاح ذوق پر گراں گزرے تو یوں سمجھ لیں کہ ازدواجی زندگی میں شوہر بیوی کے لیے کس طرح تڑپتا ہے اور اُسے اگر ایک لمحہ بھی اپنی بیوی کے علاوہ کسی چنڈال کے ساتھ گزارنا پڑے تو کیسے اُس کے چودہ طبق روشن ہوتے ہیں۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اگر اُس زمانے میں عورت بطور بیوی اتنی بھرپور اور پرآسائش زندگی گزار رہی تھی تو پھر راشد الخیری کونسی عورتوں کے دکھڑے سنا رہے تھے۔

''مساوات'' میں ایک بار پھر موضوع مشرقی اقدار کے حامل میاں بیوی اور مغربی اقدار کے حامل میاں بیوی کا تقابل ہے۔ عزیز حسن قمری، انبالہ پولیس کا سب انسپکٹر اور اُس کی مشرقی بیوی جب تک اپنی اقدار کے ساتھ جڑے رہے۔ زندگی پرسکون اور باعزت رہی مگر جونہی عزیز حسن قمری، اے ایچ قمری بنے اور نئی روشنی اور جدت کے اسیر ہوئے، ساری عزت خاک میں ملنا شروع ہوگئی اور انجام کار ایک رات کسی دلال کے ساتھ سودے بازی کر کے کسی نئی روشنی کی اسیر خاتون سے ملنے ایک ہوٹل گئے تو اپنی ہی بیوی سے سابقہ پڑ گیا۔ اس افسانے میں افسانہ نگار نے اس رشتے کی آڑ میں نئی روشنی اور استعماری تبدیلیوں کے، ہندوستانی شرفاء کی زندگی کے اثرات پر نظر ڈالی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''عزیز حسن کی آواز اس کے کانوں کو بُری معلوم ہوتی تھی۔ اور وہ اپنے آپ کو اے ایچ قمری لکھنے سے اور مسٹر قمری پکارنے سے خوش ہوتا تھا۔ قمری کا دُم چھلا غالباً اس کا اپنا بڑھایا ہوا تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ بے چارہ معذور تھا۔ تمام بامعنی الفاظ بغیر کسی وجہ کے بڑھائے ہوئے دم چھلے۔ قریشی، صدیقی، نعمانی، قدوائی، زاہدی، عابدی، شمسی وغیرہ وغیرہ ختم ہو چکے تھے۔ اب اُس کی نگاہ میں صرف دو لفظ باقی تھے۔ قمری اور خاکی، خاکی کسی قدر بدنما معلوم ہوا اور کسی وجہ سے نہیں۔ محض اس وجہ سے کہ اس سے انسان کے خاکی ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور یہ ایک نہایت دقیانوسی خیال ہے۔''(۶)

مشرقی اور مغربی اقدار کا اتنا بے جوڑ تقابل اور پھر وہ بھی اُس صورت میں جب آپ کی اپنی زندگی میں جدیدیت کی لہر موجود ہو۔ کسی قدر کھلے تضاد کی غماز ہے۔ اگرچہ افسانہ نگار کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ افسانے لکھتے ہوئے، خود کو اپنا غیر تصور کر کے افسانہ لکھے مگر قاری سیاق وسباق کے بغیر افسانہ مشکل سے ہی پڑھتا ہے۔

''پھر بھی عمر قید'' اپنے موضوع اور افسانوی بُنت کے لحاظ سے سلطان حیدر جوش کا سب سے عمدہ افسانہ ہے۔ افسانے میں مسٹر قمری کی طرح ایک کردار میر حسن ہیں جو اپنے خاندانی پس منظر میں زیادہ قابل توجہ صاحب عزت نہیں ہیں۔ مگر والدہ کی جمع پونجی اور کچھ قسمت کی یاوری سے ولایت سے بیرسٹری کے ساتھ نئی روشنی اور تہذیب کا چولا پہن کر مسٹر میر سن بن جاتے ہیں۔ ظاہری رکھ رکھاؤ اور مصنوعی طرز حیات انہیں زندگی کی حقیقی خوبصورتیوں اور لذتوں سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ اس کی سزاوار اُن کی نوعمر بیوی فاخرہ بنتی ہے۔ جو آزاد خیال اور نسوانی آزادی کی علمبردار ہے۔ شادی کے بعد جب میر سن حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا تو فاخرہ عجیب کشمکش کا شکار ہوتی ہے۔ سہاگ

رات سے لے کر زندگی کے سالہا سال کے سفر میں آخر کار تھک ہار کر فاخرہ ہمت ہار دیتی ہے اور نسوانی اور جدید آزادی کی بجائے پرانی زندگی کی خواہش مند بن جاتی ہے، جس میں یقیناً زندگی کی آسائشیں دستیاب نہیں ہیں۔ مگر حقیقی لذتیں موجود ہیں۔ فاخرہ کا یہ مکالمہ ''اس ادھوری آزادی سے پرانے خیالات کی پابندی بہتر ہے'' اس افسانے کی مرکزیت کو آشکار کرتا ہے۔ فاخرہ کی بے بسی کی ایک جھلک اس مختصر اقتباس میں ملاحظہ کریں:

> ''بڑھ اے انتظار کے کاٹے نہ کٹنے والے وقت، قسم ہے کہ تجھ کو عمر خضر کی بڑھ۔ چڑھ اے اُٹھتی جوانی کے ارمانوں کے دریائے بے پایاں۔ قسم ہے تجھ کو طوفان نوح کی! چڑھ، چڑھ اور ڈبو دے۔ تمام مصنوعی شرم کو۔ تمام دقیانوسی عقائد کو۔ تمام لغو مفروضات کو۔ تمام خلاف فطرت بندش و قیود کو، ڈبو دے، غرق کر دے، فنا کر دے۔'' (۷)

یہ افسانہ اپنے مناظر، جزئیات، اور جذبات کی تصویر کشی کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ افسانہ نگار نے کرداروں کی تشکیل میں بھی مہارت دکھائی ہے۔ افسانے کا اسلوب دلکش، پر اثر اور صورتحال کے زیر و بم کو بھرپور طریقے سے پیش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس افسانے میں انسانی نفسیات کو بھی بین السطور میں پیش کیا گیا ہے۔ مشرقی و مغربی تہذیب کے تقابل کی ایک شکل ''تلاش عجیب'' کا موضوع ہے۔ اس افسانے میں مصنف ایک کردار کی زبانی اپنی اس تقابلی صورت حال کو قاری پر یوں عیاں کرتا ہے:

> ''اُس میں مغرب کا خون تھا اور میری طبیعت کا رجحان لاکھ لاکھ مغربی تعلیم پر بھی مشرقی ہی تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ مغرب و مشرق میں اتنا ہی فرق ہے، جس قدر صبح و شام میں۔ ممکن ہے اُس کی تمام باتیں عین تہذیب ہوں لیکن میری آنکھوں سے خوشنما نظر نہیں آتی تھیں۔'' (۸)

سلطان حیدر جوش اس تقابل میں جو نتیجہ نکالتے ہیں وہ مغربی تہذیب کا وہی تصور ہے، جو تقریباً اُسی دور میں علامہ اقبال کے ہاں ''تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی'' کی شکل میں عیاں ہو رہا تھا۔ جوش مغرب کی اس کھوکھلی تہذیب کو مختلف افسانوں میں موضوع بناتے ہیں۔ تقابل میں مشرقی تہذیب کے گن گاتے ہیں اور خمار مشرق میں دیر تک مست رہتے ہیں۔ ممکنہ طور پر اس دور کا قاری بھی اس مستی میں اُن کا ہم رکاب ہوتا ہو گا۔ مگر کیا کریں زمانہ سو سال سے بھی زیادہ آگے آ گیا ہے اور تہذیبوں اور اقدار کے اُلٹ پھیر نے بہت سے سوالات کو جنم دیا ہے۔ یہ سوالات آج کے قاری کے ہیں۔ جو یقیناً سلطان حیدر جوش المعروف جان بُل کی نئی پڑھت کا نتیجہ ہیں۔

سلطان حیدر جوش کے دیگر افسانے اتفاقات زمانہ، اعجاز محبت اور پہلا گناہ، قدرے کمزور افسانے ہیں اور خود ان کے افسانوی معیار پر کم کم پورا اترتے ہیں۔ ''اتفاقات زمانہ'' تین عورتوں، حمیدہ رضیہ اور سارہ کے درمیان حسد، طاقت اور محبوب کے حصول کی کشمکش پر مبنی ہے، جس میں آخر کار جیت سارہ کی ہوتی ہے، کیونکہ مسٹر ''مقیط'' کی نظر میں وہ سب سے زیادہ حسین اور جوان ہے۔ طاقت کے حصول کی یہ کشمکش دلچسپ ضرور ہے مگر افسانویت کا پہلو کمزور ہے۔ ''اعجازِ محبت'' ایک اسٹیج اداکارا اور اداکارہ کے درمیان پروان چڑھنے والی محبت کی داستان

ہے، جس میں فرید نامی کردار محبوبہ کی وفات کے بعد بھی محبوبہ نما کرداروں کے ساتھ محبت کرتا نظر آتا ہے۔ البتہ ''پہلا گناہ'' حضرت آدم اور اماں حوا کی داستان کے پس منظر میں اس مادی کائنات کے وجود میں آنے کی افسانوی کڑی ہے۔ یہاں بھی افسانہ نگار وہ رنگ ڈھنگ نہیں دکھا سکا، جو اُن کے مذکورہ بالا افسانوں میں موجود ہیں۔

سلطان حیدر جوش اپنے زمانے کے بہاؤ میں اصلاح پسندی کا نسخہ کیمیا لے کر آئے، مگر ان کی ذات اور شخصیت کا ظاہری پن اُن کے افسانوں کے اصلاحی پہلو کو مشکوک بنا گیا۔ عین ممکن ہے کہ اردو افسانے کے ابتدائی ناقدین اسی بنا پر اُن کی افسانہ نگاری کو یلدرم، پریم چند، راشد الخیری اور دیگر معاصرین کے مقابلے میں کم توجہ دی ہو۔ افسانے کے فنی معیارات اور خصوصاً کردار سازی کے لحاظ سے وہ اپنے معاصرین سے بہت آگے ہیں۔ دیگر افسانوی ضرورتوں اور تقاضوں خصوصاً افسانوی اسلوب، وحدت تاثر اور پلاٹ کی تشکیل بھی بہت معیاری ہے۔ مگر اردو کا ابتدائی افسانہ چونکہ موضوعات کی بناء پر زیادہ قابل تنقید سمجھا جا رہا تھا۔ اسی وجہ سے جان بل کی افسانہ نگاری پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ سلطان حیدر جوش کی افسانہ نگاری کا موضوعاتی خصوصاً فنی مطالعہ اور تجزیہ نئے سرے سے کیا جائے تو ابتدائی افسانے کی روایت میں نہایت پختہ آواز کے دریافت ہونے کے امکانات موجود ہیں۔

حواشی:

۱۔ سید وقار عظیم، داستان سے افسانے تك (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۸۱۔
۲۔ ڈاکٹر اسلم عزیز درانی، اردو افسانے کے معمار (لاہور: نوبل پبلشرز، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۹۔
۳۔ مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۴۱۔
۴۔ ڈاکٹر انوار احمد، اردو افسانه ایك صدی ایك قصه (ملتان: کتاب نگر، ۲۰۱۷ء)، ص ۵۷۔
۵۔ سلطان حیدر جوش، ''نابینا بیوی''، مشمولہ اردو افسانے کی روایت (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص ۲۳۷۔
۶۔ سلطان حیدر جوش، فسانۂ جوش (لکھنؤ: درالناظر پریس، ۱۹۲۶ء)، ص ۲۔
۷۔ ایضاً، ص ۴۲۔ ۸۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔

مآخذ:

انوار احمد، ڈاکٹر۔ اردو افسانه ایك صدی ایك قصه۔ ملتان: کتاب نگر، ۲۰۱۷ء۔
اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر۔ اردو افسانے کے معمار۔ لاہور: نوبل پبلشرز، ۱۹۹۸ء۔
حامد بیگ، مرزا۔ اردو افسانے کی روایت۔ اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء۔
سلطان حیدر جوش۔ فسانۂ جوش۔ لکھنؤ: درالناظر پریس، ۱۹۲۶ء۔
سید وقار عظیم، داستان سے افسانے تك۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء۔